حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی مدظلہ العالی

دوامِ حدیث

تفسیر بالروایت پر منکرین احادیث کے اعتراضات اور ان کے جوابات

ہر صحیح حدیث کا واجب التعمیل اور ناقابل تبدیل ہونا امام شافعی کا مذہب ہے!

پہلے اور بڑے داعی امام شافعی ہیں، ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حدیث قرآن کی تکمیل کرتی ہے اور اسی لیے قرآنی احکام کی طرح واجب الاتباع ہے، امام شافعی ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے (یعنی اسی سال جب امام اعظم کی وفات ہوئی) اور انھوں نے ۲۰۴ھ میں مصر میں وفات پائی، یہ خاندان عباسیہ کا دور تھا، چنانچہ امام موصوف نے ہارون الرشید امین اور مامون الرشید کا زمانہ پایا، اس دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ امت کے دو گروہ سامنے آتے ہیں، ایک وہ جو صحابہؓ اور امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کا پابند تھا، یعنی جو احادیث کو غیر متبدل نہیں مانتا تھا اور دوسرا گروہ جو امام شافعی کے مسلک کا پابند تھا اور حدیث کو ہمیشہ کے لیے واجب الاتباع خیال کرتا تھا، اب اول الذکر گروہ کو جواب تک صرف مسلمانوں کے لقب سے ملقب تھا، اصحاب الرائی کے نام سے مشہور کیا گیا اور دوسرا گروہ اصحاب الحدیث کے نام سے متعارف ہوا، امام شافعی نے پہلے گروہ کے مسلک کی تردید اور اپنے مسلک کی حمایت میں بہت کچھ لکھا اور وہ اپنے مخالفین کے ساتھ مناظرے بھی کرتے رہے چنانچہ انھوں نے کتاب الام کے ساتویں حصہ میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے، "اس جماعت کے اقوال بیان کرنے کا باب جس نے حدیثوں کو رد کیا۔"

(الام ۷ : ۲۵۰، ۲۵۱، مقام حدیث ج ۱)

حدیث کا واجب التعمیل ہونا اولاً قرآن سے ثابت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع قیامت تک کے لوگوں کے لیے فرض ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے حدیثیں نقل کیں اور ان پر عمل کیا، اور حدیث کے مقابلہ میں کبھی اپنی رائے پیش نہ کی، بلکہ فرمایا میں کس آسمان کے نیچے اور کس زمین کے اوپر رہ سکتا ہوں، اگر ایسی بات کہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی؛ یہی حال حضرت عمرؓ کا تھا، ایک دفعہ ان کے کاتب نے یہ لکھ دیا کہ یہ وہ بات ہے جو اللہ نے امیر المومنینؓ کو دکھائی، آپ نے فرمایا اس کو مٹا دو اور یہ لکھو، یہ عمرؓ کی رائے ہے اگر حق ہے تو اللہ کی طرف سے ہے، اگر غلط ہے تو عمر اور شیطان کی ہے اور اللہ اور رسولؐ اس سے بری ہیں۔ (مدارج السالکین) یہی حال حضرت عثمانؓ کا ہے اور یہی حال حضرت علیؓ کا تھا، آپ نے حدیثیں لکھ رکھی تھیں اور ان پر عمل کرتے تھے (بخاری) ان کے بعد عام صحابہؓ کا یہی دستور تھا، خلفاء راشدینؓ کے بعد امیر معاویہؓ و دیگر امراء بھی سنت پر عمل کرتے رہے صحابہؓ کے بعد تابعین کا بھی یہی دستور تھا، پھر خلفاء بنی عباس کا یہی دستور العمل رہا، تابعین میں فقہاء سبعہ، بعد میں امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ ایسا ہی کرتے رہے، امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے، ہر شخص کی بعض باتیں مقبول ہوتی ہیں اور بعض مردود۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات رد نہیں ہوتی۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں "اذا صح الحدیث فھو مذھبی" (مقدمہ شرح وقایہ) جب حدیث صحیح ہو تو میرا مذہب وہی ہے اور امام اعظمؒ نے فرمایا ہے: لایحل لاحد ان یاخذ بقولنا مالم یعرف ماخذہ من الکتاب والسنۃ واجماع الامۃ او القیاس الجلی فی المسئلۃ (مقدمہ شرح الوقایۃ صلا)

کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ وہ ہمارے قول کو لے جب تک اس کو یہ علم نہ ہو کہ یہ قول کتاب و سنت یا اجماع قیاس میں سے کس دلیل سے لیا گیا ہے، یعنی مسائل کے ثابت ہونے کے لیے ان دلائل کی ضرورت ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کا یہ مذہب نہیں کہ سنتِ رسولؐ پر عمل کرنا ایک وقتی امر تھا اور اب اس میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔

امام شافعیؒ نے جو حدیث کے بارے میں کام کیا وہ یہ تھا کہ اصولِ فقہ اور اصولِ حدیث کے قواعد و ضوابط کو باقاعدہ طور پر منضبط کیا، جس کی تفصیل شاہ ولی اللہ نے اس طرح لکھی ہے۔

امام شافعیؒ جب پیدا ہوئے، اس وقت مالکی اور حنفی مذہب کی ابتدا تھی ان کے اصول و فروع مرتب ہو رہے تھے، امام شافعیؒ کی نظر میں کچھ امور قابلِ غور نظر آئے، جن کی تفصیل کتاب الام میں ہے۔

۱۔ یہ لوگ مرسل اور منقطع حدیثیں بھی لے لیا کرتے تھے، اس بناء پر خلل پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ تفتیش کے بعد معلوم ہوتا تھا کہ بہت سی مرسل روایات بے اصل ہیں اور بعض مسند کے خلاف ہیں، امام شافعیؒ نے مرسل پر عمل کرنے کے لیے چند شرطیں مقرر کیں جو اصول کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

۲۔ مختلف دلائل میں تطبیق دینے کے لیے قواعد مقرر نہ تھے، اس وجہ سے بھی اجتہادی باتوں میں خلل پیدا ہوتا تھا، اس وجہ سے آپ نے قواعد لکھے، یہ کام سب سے پہلے امام شافعیؒ نے کیا، اس کی مثال اس طرح ہے کہ آپ محمد بن حسن کے پاس گئے، وہ اہل مدینہ پر طعن کر رہے تھے کہ یہ لوگ قرآن مجید پر خبر واحد سے بعض احکام زیادہ کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں اگر مدعی ایک گواہ لائے تو اس کے ساتھ قسم کھائے تو اس کا دعوٰے ثابت ہو جاتا ہے حالانکہ قرآن میں یہ ذکر ہے "جب کوئی معاملہ لکھو تو دو گواہ مقرر کرو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں"۔ امام شافعی نے کہا "کیا یہ بات آپ کے ہاں ثابت ہو چکی ہے کہ قرآن سے جو زائد بات ہو خبرِ واحد سے ثابت نہیں ہو سکتی" (یعنی اس کے لیے متواتر یا مشہور حدیث کی ضرورت ہے) محمد بن حسن نے کہا "ہاں!" امام شافعی نے کہا، وارث کے لیے وصیت جائز نہیں مگر سند اس کی خبرِ واحد ہے (لا وصیۃ لوارث "کہ وارث کے لیے وصیت نہیں) بلکہ قرآن کے بظاہر خلاف ہے، کیونکہ قرآن میں والدین اور قریبیوں کے لیے وصیت کا ذکر ہے۔" اس قسم کی بہت سی مثالیں پیش کیں اور محمدؒ لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔

بعض علماء تابعین (جو مفتی تھے ان) کو بعض حدیثیں نہیں پہنچیں، انھوں نے اپنی رائے کو استعمال کیا یا عمومات سے استدلال کیا یا کسی صحابی کی اقتداء کی، ان کے بعد تیسرے طبقہ میں وہ حدیث معلوم ہوتی تو انھوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ حدیث ہمارے شہر کے عمل کے مخالف ہے، اس پر عمل نہ کیا . . . . ان کے خیال میں حدیث کے گرانے اور ناقابلِ عمل ہونے کے لیے یہی کافی ہے حالانکہ ان کے شہر میں معروف نہ تھی۔ بلکہ دوسرے شہروں میں جا کر تفتیش کرنے کے

بعد معلوم ہوئی جب حدیث کی تلاش کی بہت کوشش کی گئی، کیونکہ بعض حدیثیں ایسی ہیں جن کو ایک دو صحابی ہی روایت کرتے ہیں اور ان کے شاگرد بھی ایک دو ہی ہیں۔ یہی حال بعد میں رہا، اس لیے یہ حدیث اہل فقہ پر مخفی رہی۔ حدیث کے یاد کرنے والوں، جمع کرنے والوں کے زمانہ میں اس کا پتہ چلا، کیونکہ بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جو صرف بصرہ والوں کے ہاں پائی جاتی ہیں اور دوسرے لوگ ان سے بے خبر ہیں۔ امام شافعیؒ نے اس بارے میں یہ کہا کہ شروع سے صحابہ و تابعین کے زمانہ میں علماء کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ ہر مسئلہ میں حدیث کی تلاش کرتے تھے۔ جب حدیث نہ پاتے تو پھر کسی استدلال کی طرف رجوع کرتے، اس کے بعد اگر پھر ان کو حدیث مل جاتی تو اپنا اجتہاد چھوڑ کر حدیث کو لے لیتے۔ جب حقیقت یہ ٹھہری تو اب کسی شہر میں اس حدیث کا معمول نہ ہونا حدیث کو قابل جرح نہیں بناتا، جب تک حدیث میں ایسی کوئی علت بیان نہ کریں جو واقعی قابل جرح ہو۔ اس کی مثال قلتین والی حدیث ہے۔ (جب دو مٹکے پانی ہو تو پھر صرف پلیدی کے واقع ہونے سے پانی پلید نہیں ہوتا جب تک اس میں تبدیلی (بو رنگ و مزہ) نہ واقع ہو)۔ یہ حدیث صحیح ہے، بہت سی سندوں سے مروی ہے، اکثر سندوں کا مرجع ابو الولید ہے جو محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت کرتا ہے۔ اور وہ عبداللہ سے یا محمد بن عباد بن جعفر سے اور وہ عبید اللہ بن عبداللہ سے دونوں (عبداللہ اور عبید اللہ) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی سندیں پھیل گئیں، یہ دونوں راوی اگرچہ ثقات سے ہیں مگر مفتی نہیں تھے جن پر لوگوں کا عموماً اعتماد ہوتا ہے اس واسطے یہ حدیث سعید بن مسیب اور زہری کے زمانہ میں ظاہر نہ ہوئی، مالکی اور حنفی اس پر نہ چلے نہ اس کو معمول بہ بنایا، امام شافعی نے اس پر عمل کیا۔ دوسری مثال حدیث خیار المجلس ہے (بیع کے بعد بائع اور مشتری کو خیار ہے فسخ کرنے کا) یہ حدیث صحیح ہے۔ بہت سی سندوں سے مروی ہے۔ صحابہؓ سے عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہؓ نے اس پر عمل کیا۔ بعد میں مدینہ کے سات فقہاء اور ان کے ہم زمانہ کو اس حدیث کا علم نہیں ہوا اس لیے وہ اس کے قائل نہیں ہوئے۔ ابو حنیفہؒ اور مالکؒ نے اس امر کو حدیث کے ناقابل قبول ہونے کی دلیل ٹھہرایا اور شافعیؒ نے اس پر عمل کیا۔

۴۔ امام شافعیؒ کے زمانہ میں صحابہؓ کے اقوال جمع کیے گئے، اور ان میں اختلاف پایا گیا۔

بہت سے اقوال بعض جگہ جہاں ان کو حدیث نہیں پہنچی، حدیث کے خلاف پائے گئے اور سلف کو دیکھا کہ وہ ایسی صورت میں حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں تو امام شافعیؒ نے کہا: نحن رجال وھم رجال "ہم اور صحابہؓ دونوں مرد ہیں (اگر متفق ہوں تو پھر ان کے قول پر عمل کرینگے ورنہ نہیں)

۵۔ امام شافعیؒ نے بعض فقہاء کو دیکھا کہ مجرد رائے (جس پر شرعاً عمل کرنا جائز نہیں) اور قیاس صحیح میں خلط ملط کر دیتے ہیں، ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں کرتے، اور اس کو کبھی استحسال کہہ دیتے ہیں جس کی حقیقت یہ ہے کہ حرج (تنگی) یا مصلحت کی جگہ کو علت قرار دیا جائے، اور قیاس یہ ہے کہ حکم منصوص سے علت لے کر اس پر حکم ثابت کیا جاتے، پس امام شافعیؒ نے مجرد رائے کا پوری طرح ابطال کیا۔ فرمایا جو (اس قسم کا) استحسان کرتا ہے، وہ شارع بننا چاہتا ہے۔ ابن حاجب نے "مختصر الاصول" میں اس (استحسان) کی مثال یہ بیان کی ہے کہ یتیم کے متعلق قرآن نے کہا ہے، جب یتیم میں رشد یعنی سمجھ پائی جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کیا جائے، رشد ایک مخفی چیز ہے، آخری وقت جس میں یہ پایا جاتا ہے پچیس سال ہے۔ اس واسطے پچیس سال کو رشد کے قائم مقام سمجھا۔ جب یتیم کی اتنی عمر ہو جائے تو مال اس کے حوالے کیا جائے، ان کے خیال میں یہ استحسان ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مال، رشد کے پائے جانے پر ہی دیا جائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ پہلے لوگوں میں جب اس قسم کی باتیں دیکھیں، فقہ کو شروع سے لے کر اس کے اصول قائم کیے، پھر ان پر تفریعات بٹھائیں، کتابیں لکھیں، ان میں بہت اچھا کام کیا، اس پر فقہاء جمع ہو گئے۔

(حجۃ البالغہ، ج ۱، صفحہ ۱۱۷، ۱۱۸)

۱۔ گزشتہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعیؒ سے پہلے حدیث کے لینے میں تساہل کرتے تھے، مرسل اور منقطع حدیث پر بھی عمل کر لیتے تھے، مگر امام شافعیؒ نے اس کے لیے شروط مقرر کیے۔ (بعض میں محدثین نے مرسل منقطع کو بالکل ترک کر دیا)

۲۔ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہی تھا کہ حدیث صحیح قابل عمل ہے بلکہ منقطع اور مرسل کو بھی لے لیتے تھے۔

۳۔ ایک بات جو امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں ملحوظ تھی کہ اپنے اپنے شہر کے

عمل کی بنار پر حدیث صحیح کو رد کر دیتے تھے، اس بات کو امام شافعیؒ نے توڑا ہے، تاکہ سب شہروں کی مرویات پر عمل ہو سکے اور اس بارے میں امام شافعیؒ حق پر ہیں۔

۴۔ جس استحسان کو امام شافعیؒ نے رد کیا ہے امام ابو حنیفہؒ بھی اس کو مردود قرار دیتے ہیں جس استحسان کے وہ قائل ہیں، اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

۵۔ حنفی تو قول صحابی کو بھی حجت سمجھتے تھے، مگر شافعیؒ نے اس میں ترمیم کی کہ اختلاف کی صورت میں ان کا قول حجت نہیں۔ اتفاق کی صورت میں حجت ہے۔ مگر جب صحابی کا قول حکماً مرفوع ہو تو سب کے نزدیک حجت ہے۔

۶۔ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کی گفتگو سے ایسا معلوم ہوتا ہے، جو حکم قرآن میں ہو اس پر خبرِ واحد سے کسی قسم کی زیادتی نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ بات غلط ہے۔ حنفیہ کے ہاں حدیث کی زیادتی کو قرآن کے مرتبہ میں نہیں لیا جاتے گا، بلکہ اس کا مرتبہ کم ہو گا، اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن میں ہے، "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" (مزمل)، کہ جتنا قرآن آسان ہو، پڑھو۔

حنفیہ کے ہاں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں قرآن پڑھنا فرض ہے اور حدیث میں ہے کہ بغیر فاتحہ نماز نہیں ہوتی، اب وہ کہتے ہیں مطلق قرأت فرض ہے اور فاتحہ واجب ہے۔ یہ نہیں کہتے کہ حدیث کو رد کر دیا جائے، بلکہ یہ کہتے ہیں، خبرِ واحد سے جو چیز ثابت ہو گی اس کا مرتبہ کم ہو گا۔ یعنی واجب ہو گی فرض نہیں ہو گی۔

پس ثابت ہوا کہ امام شافعیؒ سے پہلے امام بھی حدیثِ صحیح کو واجب العمل قرار دیتے تھے، شہر کے عمل کے خلاف ہونے کی صورت میں وہ حدیث کے منسوخ ہونے کا شبہ کرتے تھے مگر یہ شبہ اس وقت کوئی قدر وقیمت رکھ سکتا تھا، جب صحابہؓ کو حدیث کی صحت کا علم ہو جاتا پھر عمل نہ کرتے۔ مگر عدم علم کی بنار پر عمل نہ کرنا یہ زیر بحث ہے، آیا اس صورت میں بھی حدیث قابلِ عمل ہے یا نہیں؟

۷۔ کوئی امام بھی حدیث کو تبدل اور وقتی نہیں سمجھتا تھا بلکہ حدیث کو قرآن کی طرح دائمی شریعت سمجھتے تھے۔

انکار کرنے والے کسی امام کے تبع نہیں تھے بلکہ بعض ملحق اور زندیق تھے جو اسلام کو مٹانا چاہتے تھے، ہاں بعض لوگ مختلف فیہ احادیث میں شک کرتے تھے، مگر اس عبارت

کے شروع میں جو یہ سرخی ذیلی قائم کی وُہ دھوکا اور فریب ہے۔ سُرخی یہ ہے:

"انکارِ حدیث کے متعلق متکلمین اور اصحاب الرائی کے دلائل"

(صہ ۱۵۱، ج ۲۔ مقامِ حدیث)

اور یہ سرخی محض دجل اور جھوٹ ہے کیونکہ متکلمین اہل سنت اور اصحاب الرائی (حنفیہ وغیرہ اہل سنت) میں سے کوئی بھی منکر حدیث نہیں۔

"اعلم انہ قد اتفق من یعتد بہ من اھل العلم علی ان السنۃ المطھرۃ مستقلۃ بتشریع الاحکام وانھا کالقراٰن فی تحلیل الحلال وتحریم الحرام" (ارشاد الفحول صہ ۲۹)

قابلِ اعتبار اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ سنت احکام مقرر کرنے میں مستقل درجہ رکھتی ہے۔ حلال اور حرام بیان کرنے میں قرآن کی طرح ہے۔

اب اس سرخی انکارِ حدیث کے نیچے جو دلائل نقل کیے ہیں، ان کو پڑھیے۔ کہتے ہیں "تم عربی ہو، اور قرآن ان لوگوں کی زبان میں نازل ہُوا ہے جن میں تم خود ہو اور تمہیں وُہ خوب یاد ہے اور اس میں خدا تعالےٰ نے اپنے چند فرائض نازل کیے ہیں۔ اگر کوئی شخص جس پہ قرآن مشتبہ ہو گیا ہو، اس کے ایک حرف میں بھی شک کرے تو تم اس سے توبہ کا مطالبہ کرو گے، اور اگر اس نے توبہ کر لی تو بہتر ہے ورنہ تم اس کو قتل کر دو گے۔ قرآن مجید کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "تبیانا لکل شیءٍ" یعنی وُہ ہر چیز کی وضاحت ہے۔ ایسی حالت میں تمہارے یا کسی اور شخص کے نزدیک یہ کیونکر جائز ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جس چیز کو فرض کر دیا اس کی نسبت، کبھی یہ کہے کہ یہ فرض عام ہے، کبھی یہ کہے کہ وُہ خاص ہے، کبھی یہ کہے کہ اس امر (حکم) میں فرضیت ہے اور اس امر میں استحباب ہے اور اس قسم کے فرق اور بہت سے ہیں۔

تمہارے پاس ایک حدیث یا دو حدیث یا تین حدیثیں ہوتی ہیں جن کو تم ایک آدمی سے پھر دوسرے سے، پھر تیسرے سے روایت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہو، اور میں نے تم کو اور تمہارے ہم مذہب لوگوں کو پایا ہے کہ تم نے جس سے ملاقات کی اور حفظ و صداقت میں مقدم سمجھا اور تمہارے ملنے والوں میں سے خود جس سے ملا تم ان میں سے کسی کو حدیث میں غلطی اور بھول چوک سے بری نہیں کرتے، بلکہ میں نے تم کو ان میں سے متعدد اشخاص

کی نسبت یہ کہتے ہوئے پایا ہے کہ فلاں نے اس حدیث میں اور فلاں نے اس حدیث میں غلطی کی، اور میں نے تم کو یہ کہتے ہوئے پایا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی حدیث کی نسبت جس کے ذریعہ سے تم نے کسی چیز کو حلال و حرام بتایا ہے (انکار کردے اور) کہے کہ علم خاصہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بتین فرمایا ہے، صرف تم نے یا اس شخص نے غلطی کی ہے جس نے تم سے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور (یوں کہے کہ) تم نے جھوٹ کہا ہے، یا اس شخص نے جھوٹ کہا ہے جس نے تم سے اس کی حدیث کی روایت کی ہے تو تم اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کرتے اور اس سے زیادہ اس کو نہیں کہتے کہ تم نے کس قدر برا کہا، تو یہ جائز ہے، کہ کوئی شخص قرآن مجید کے احکام اور اس کے ظاہر میں ایسے شخص کے نزدیک تفریق کرے جس نے اس کو ایسے شخص سے سنا ہے جس کی حالت وہ ہے جس کو تم نے بیان کیا ہے اور ان کی احادیث کو تم کتاب اللہ کے قائم مقام قرار دیتے ہو، اور ان سے حلال و حرام کرنے میں مدد لیتے ہو۔ لیکن جب تم نے ان کی احادیث کو قبول کر لیا اور ان میں ایسے لوگ ہیں جن کی احادیث کو قبول کرنے کی نسبت تمہارا معاملہ وہ ہے جس کو میں نے بیان کیا اور جس شخص نے ان کو رد کر دیا، ان کی نسبت تمہاری کیا حجت ہے؟ میں ان احادیث میں سے کسی کو قبول نہیں کرتا جبکہ ان میں وہم کا امکان ہے اور میں صرف اس کو قبول کرتا ہوں جس کے ذریعہ خدا پر گواہی دوں، جیسا کہ اس کتاب پر گواہی دیتا ہوں جس کے ایک حرف میں بھی شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ کیا یہ جائز ہے کہ ایک چیز کو حاوی قرار دیا جائے اور وہ اس کی سزاوار نہ ہو" (تاریخ فقہ اسلامی صہ ۱۵۱ - ۵۳ ، ۲۵۷ - ۶۰)

احادیث کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جن پر امت کا اتفاق ہے، ایسی حدیث کا انکار کرنا تو کفر ہے، اگر کوئی شخص ان سے انکار کرے گا، اس سے توبہ کرائی جائے گی، اگرچہ وہ حدیثیں خبر واحد کے درجہ میں ہوں۔ دوسری قسم کی وہ حدیثیں ہیں جن میں اختلاف ہے۔ ان میں سے کسی حدیث کا بیان کر دینا کافی ہے، اور اس کی صحت کا ثابت کر دینا الزام کے لیے بس ہے۔

امام شافعی رح فرماتے ہیں: اما ما کان نص کتاب بین او سنة مجتمع علیها فالعذر فیها مقطوع ولا یسع الشك فی واحد منهما ومن امتنع قبوله استتیب۔

فاما ما كان من سنة من خبر الخاصة الذى قد يختلف الخبر فيه فيكون الخبر محتملا للتاويل وجاء الخبر فيه من طريق الانفراد فالحجة عندى ان يلزم العالمين حتى لايكون لهم رد ما كان منصوصا كما يلزمهم ان يقبلوا شهادة العدول لا ان ذلك احاطة كما يكون نص الكتاب وخبر العامة عن رسول الله۔

(رسالة الشافعي ص ۴۶، ۶۱)

جو کتاب اللہ سے واضح نص ہو یا اتفاقی سنت ہو، اس (کے قبول کرنے) میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ نہ ان دو میں شک کی گنجائش ہے۔ جو ان دونوں کے قبول کرنے میں پس و پیش کرے (وہ) مرتد ہے اس سے توبہ طلب کی جاتی ہے جو سنت اجتماعی نہ ہو بلکہ خاص لوگوں سے پہنچی ہو اور ایسی خبر میں تاویل کی گنجائش ہو اور یہ خبر واحد کی صورت میں پہنچی ہو تو اس صورت میں اس خبر پر عمل کرنا تو لازم ہو گا جو صریح ہو اس کو رد کرنے کی اجازت نہیں جیسے عادل گواہوں کی گواہی قبول کرنا لازم ہے۔ مگر اس کا حکم نص کتاب اور اتفاقی سنت کا نہیں ہو گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی عبارت کا یہ جواب دیا ہے کہ:۔

قرآن کلام عرب میں نازل ہوا ہے، ان کے کلام کا یہ محاورہ ہے کہ کبھی لفظ عام ذکر کرتے ہیں اور اس سے مراد خاص لیتے ہیں اور کبھی عام سے عام ہی مراد لیتے ہیں، اسی طرح امر کے لیے اصل وجوب ہے مگر قرینہ کے ساتھ اس کو استحباب کے لیے بھی لے لیتے ہیں

خبر عامہ اور خبر خاصہ

خبر عامہ سے مراد متواتر ہی نہیں بلکہ ہر وہ خبر مراد ہے جس پر اجماع ہو اور خبر خاصہ وہ ہے جس پر اجماع نہ ہو۔ پس امت کے اجتماعی مسائل جو قرآن سے ثابت نہیں بلکہ احادیث سے ثابت ہیں، ان کی احادیث خبر عامہ میں داخل ہیں۔ ان لفظوں سے یہ غلطی نہیں کھانی چاہیئے کہ شاید خبر عامہ سے مراد صرف متواتر حدیثیں ہی ہیں بلکہ یہاں زیر بحث وہ حدیثیں ہیں جو اختلافی مسائل میں وارد ہیں اور ان احادیث میں اختلاف ہے اور ان میں تاویل کی گنجائش ہے اور خبر واحد کے درجہ میں ہیں، ان کو خبر خاصہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور خبر واحد کی شرائط وغیرہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ "مقام حدیث" میں (باقی ص...)